امامت ائمۂ اطہار علیہم السلام کی نگاہ میں

<"xml encoding="UTF-8?>

امامت کے کلی مسائل سے متعلق یہ ہماری آخری بحث ہے اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں جو بحثیں کریں گے وہ احادیث و روایات کی روشنی میں ہوں گی۔ مثال کے طور پر وہ حدیثیں جو امیر المومنین (علیہ السلام) کے سلسہ میں پیغمبر اکرم(ص) سے نقل ہوئی ہیں یا خود امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بعد کے ائمہ علیہم السلام کے لئے ذکر فرمائی ہیں، یوں ہی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ائمہ علیہم اسلام کے بارہ میں جو کچھ فرمایا ہے نیز یہ کہ ہر امام نے اپنے بعد ک امام کے لئے کس طرح وضاحت فرمائی ہے ہم ایک ایک کر کے ان سب کا جائزہ لیں گے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر روایات نقلی، تعیینی و تنصیصی پہلو رکھتی ہیں۔

موجودہ بحث کچھ اس ڈھنگ کی ہے کہ اس کا کچھ حصہ شاید ہم گزشتہ گفتگو میں بھی متفرق طور پر پیش کرچکے ہیں لیکن چونکہ یہ مسئلہ امامت کی روح سے مربوط ہے لہٰذا اب ہم ائمۂ معصومین علیہم السلام کے اقوال کی روشنی میں اس پر بحث کریں گے۔ اور کتاب "اصول کافی کی کتاب الحجۃ" کا ایک حصہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ ہم مکرّر عرض کر چکے ہیں کہ امامت کے اس مفہوم ہم شیعہ یا کم از کم ائمہ علیہم السلام شیعہ کے اقوال میں پیش کیا گیا ہے وہ امامت کے اس مفہوم سے بالکل الگ ہے جو اہل سنت کے یہاں رائج ہے۔ یہ مسئلہ حکومت سے بالکل الگ ایک چیز ہے جس کا چرچا ہمارے زمانہ میں بہت ہوتا ہے۔ مثلاً، امامت بنیادی طور پر نبوت کے قدم بہ قدم یا اس کے بالکل دوش بدوش والا مسئلہ ہے لیکن اس معنی میں نہیں کہ اس کا مرتبہ ہر نبوت سے کمتر درجہ کا ہے۔ بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ نبوت سے مشابہ ایک ایسا منصب ہے جو بڑے انبیاء کو بھی عطا ہوا ہے یعنی یہ ایک ایسا معنوی منصب ہے کہ بڑے انبیاء نبوت کے ساتھ ساتھ امامت کے منصب پر بھی فائز رہے ہیں۔ ائمہ معصومین علیہم السلام نے کلی طور پر اس مسئلہ کے تحت اپنی گفتگو میں انسان کو بنیاد قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہمیں پہلے انسان کے متعلق اپنے تصوّرات و خیالات پر تجدید نظر کرنا چاہیئے تاکہ یہ مسئلہ پورے طور سے واضح ہوسکے۔

انسان؟

آپ جانتے ہیں کہ اساسی طور پر انسان کے سلسلہ میں دو نظریے پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ انسان بھی تمام جانداروں کے مانند صد فی صد ایک خاکی یا مادی وجود ہے۔ لیکن یہ ایسا مادی وجود ہے جواپنے تغییرات کی راہ طے کرتے ہوئے اس حد کمال کو پہنچ چکا ہے جہاں تک زیادہ سے زیادہ مادہ میں اس کی صلاحیت پائی جاتی تھی۔ حیات، چاہے نباتات میں ہو یا اس سے بلند حیوانات میں یا ان سب سے بڑھ کر انسان میں، یہ خود مادہ کے تدریجی ارتقا و کمال کی نشان دہی کرتی ہے یعنی اس وجود کی بناوٹ اور ساخت میں مادّی عناصر کے علاوہ کوئی اور عنصر کا ر فرما نہیں ہے۔ (یہاں عنصر کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کہ اس کی کوئی دوسری تعبیر ہمارے پاس نہیں ہے)۔ جتنے حیرت انگیز آثار اس وجود میں پائے جاتے ہیں ان کا سر چشمہ یہی مادّی تشکیل ہے۔ اس نظریہ کے مطابق قہری طور پر پہلے انسان کو یا دنیا میں آنے والے ابتدائی انسانوں کو ناقص ترین انسان ہونا چاہیئے اور جوں جوں یہ قافلۂ انسانیت آگے بڑھا ہوگا انسان کامل تر ہوتا گیا، خواہ ہم اولین انسان کو قدما

کے تصور کے مطابق براہ راست خاک سے پیدا شدہ مانیں یا عہد حاضر کے بعض (سائنس داں) حضرات کے مفروضہ کے مطابق..... جو مفروضہ ہونے کی حیثیت سے قابل توجہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے پست تر اور ناقص تر وجود [1] کی تغییر یافتہ اور کامل شدہ مخلوق ہے۔ جس کی اصل و بنیاد مٹی تک پہنچتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلا انسان براہ راست خاک سے خلق ہوگیا ہو۔

پہلا انسان

قرآن کی نظرمیں لیکن اسلامی و قرآنی بلکہ تمام مذاہب کے اعتقادات کے مطابق پہلا انسان وہ وجود ہے جو اپنے بعد کے بہت سے انسانوں حتٰی کہ آج کے انسانوں سے بھی زیادہ کامل ہے۔ یعنی پہلی بار جب اس انسان نے عرصۂ عالم میں قدم رکھا، اسی وقت سے وہ خلیفہ اللہ یا دوسرے الفاظ میں پیغمبر کے درجہ پر فائز نظر آیا۔
دین کی منطق میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ کیوں پہلا انسان ہی دنیا میں آیا تو ایک حجت خدا اور پیغمبر کی شکل میں آیا، جبکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ انسان دنیا میں آتے رہتے اور ارتقائی منازل طے کرتے رہتے اور جب عالی مراحل و مراتب سے ہمکنار ہوتے تو ان میں سے کوئی ایک نبوت و پیغمبری کے منصب پر فائز ہوجاتا، نہ یہ کہ پہلا ہی انسان پیغمبر ہو۔
قرآن کریم پہلے انسان کے لئے بہت عظیم اور بلنددرجہ کا قائل ہے:
"وَاِذ قَالَ رَبُّکَ لِلمَلائِکة انّی جَاعِلٌ فِی الاَر ضِ خَلِیفَة قَالُوا اتَجعَلُ فِیها مَن یُفسِدُ فِیها ویَسفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قال اِنِّی اَعلمُ مَالَا تَعلَمُون وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَاءَ کُلّها ثُمَّ عَرَضَهم عَلیٰ المَلَائِکَة فَقَالَ انبِئُونِی بِاَسمَاءِ هؤلاء"[2]
جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا (خدا یا) کیا تو انہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد و خونریزی برپا کریں اور ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (خداوند عالم نے) فرمایا، بلا شبہ (اس انسان کے اسرار کے بارے میں) جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء تعلیم دیئے پھر ان کے حقائق ملائکہ کے سامنے بھی پیش کئے اور فرمایا ہمیں ان کے نام بتاؤ"۔
مختصر یہ کہ جب پہلا انسان عالم وجود میں آیا تو اس ملائکہ کو بھی حیرت میں ڈال دیا کہ آخر اس میں کیا راز پنہاں ہے؟.....پہلے انسان کے بارے میں "نفخت فیہ من روحی" (اپنی روح اس میں پھونکی) کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پیکر کی ساخت اور اس کے ڈھانچہ میں مادی عناصر کے علاوہ ایک عُلوی عنصر بھی کارفرماہے جو (اپنی روح) کی تعبیر کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی جانب سے ایک خصوصی شئے اس وجود کے پیکر میں داخل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس لئے بھی کہ اس کو خلیفہ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔" اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَر ضِ خَلِیفة" میں زمین پر اپنا خلیفہ بنارہاہوں۔
بنابر ایں قرآن، انسان کو اس عظمت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ کہ پہلا انسان جب عالم وجود میں قدم رکھتا ہے تو حجت خدا و پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک ایسے وجود کے عنوان سے قدم رکھتا ہے جو عالم غیب سے رابطہ رکھتا ہو۔ ہمارے ائمہ علیہم السلام کے کلام کی اساس و بنیاد انسان کی اسی اصل و حقیقت پر ہے یعنی پہلا انسان جو اس زمین پر آیا اسی صنف کا تھا اور آخری انسان بھی جو اس زمین پر ہوگا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہوگا اور عالم انسانیت کبھی بھی ایسے وجود سے خالی نہیں جس میں "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الا اَر ضِ خَلِیفة " کی روح پائی جاتی ہے۔ (بنیادی طور سے اس مسئلہ کا محور یہی ہے) دیگر تمام انسان، ایسے انسانی وجود کی

فرع کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اگر یہ انسان نہ ہو تو بقیہ تمام انسان کسی بھی صورت سے باقی نہیں رہیں گے۔ ایسے ھی انسان کو حجت خدا سے تعبیر کرتے ہیں:۔

اللّٰھمَّ بَلٰی لَا تخلوا لارض مِن قَائمٍ لله بِحُجَّة" ہاں (مگر) زمین ایسی فرد سے خالی نہیں رہتی جو اللہ کی حجت ہے یہ جملہ نہج البلاغہ [3] میں ہے اور بہت سی کتابوں میں نقل ہوا ہے۔ میں نے یہ بات مرحوم آیۃ اللہ بروجردی سے سنی ہے، لیکن یہ یاد نہیں کہ میں نے خود اسے دوسری جگہ بھی کہیں دیکھا ہے یا نہیں، یعنی اس کی جستجو نہیں کی۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ جملہ حضرت کے ان جملوں میں سے ہے جنہیں آپ نے بصرہ میں بیان فرمایا ہے او شیعہ و سنی دونوں نے اسے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ جملہ مشہور حدیث کمیل کا ایک حصہ ہے۔کمیل کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت علی(علیہ السلام) نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اپنے ہمراہ لے کر شہر کے باہر تشریف لائے۔ یہا ں تک کہ ہم لوگ"جبّان" نامی ایک جگہ پر پہونچے۔ جیسے ہی ہم لوگ شہر سے خارج ہوکر سناٹے اور تنہائی میں آئے: فَتَنَفَّسَ الصُّمَعَداء حضرت علیہ السلام نے گہری سانس لی، ایک آہ کھینچی اور فرمایا:۔

" یاکمیل! اِنَّ ھذہ القُلُوبَ اَو عِیَة فَخَیرُھا اَو عَاھا فَاحفَظ عَنِّی مَا اَقُولُ لَکَ"

" اے کمیل! اولاد آدم علیہ السلام کے دل ظرف کے مانند ہیں اور بہترین ظرف وہ ہے جو کسی چیز کو اپنے اندر محفوظ رکھے (یعنی اس میں سوراخ نہ ہو) لہٰذا میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں اسے محفوظ کر لو"۔

پہلے آپ نے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا:۔

" النَّاسُ ثَلاثَة: فَعَالِمٌ رَبَّانِی وَ مُتَعَلِّمٌ فِی سَبِیلِ نِجَاة وَ ھَمَجٌ رعاعٌ"۔

" انسان تین قسم کے ہیں:ایک گروہ علمائے ربانی کا ہے (البتہ حضرت علی (علیہ السلام) کی اصطلاح میں عالم ربّانی سے مراد ہر وہ عالم ربّانی نہیں ہے جو ہم ہر ایک کو تکلّفاً کہہ دیا کرتے ہیں، بلکہ اس سے مراد ایسا عالم ہے جو واقعاً صد فی صد الہٰی ہو اور خالص خدا کے لئے عمل کرتا ہو اور شاید یہ تعبیر سوائے انبیاء و ائمہ علیھم السلام کے کسی اور پر صادق نہیں آتی) " وَمُتَعَلِّمٌ علی سبیل نجاة " (چونکہ اس عالم کو اس متعلم کے مقابل میں ذکر کیا ہے لہٰذا اُس سے مقصود وہ عالم ہے جو کسی بشر سے علم حاصل نہیں کرتا) یہ دوسرا گروہ اُن سے علم حاصل کرنے والوں اور شاگردوں کا ہے۔ ان لوگوں کو ہے جو ان علماء سے استفادہ کرتے ہیں۔ تیسرے گروہ کے لوگ "ھمیج رعاع" ہیں (اس کی تشریح یہ ہے) کہ:" لَم یَستَضِیئُوا بِنورِ العِلمِ وَلَم یَلجَأو ا اِلَیٰ رُکنٍ وَثِیقٍ" جنہوں نے علم کے نور سے نہ کوئی روشنی حاصل کی ہے اور نہ کسی محکم ستون کا سہارا حاصل کیا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اہل زمانہ کا گلہ کرنا شروع کیا۔ فرمایا میں بہت سے علوم اپنے سینہ میں رکھتا ہوں۔ لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس میں (انہیں حاصل کرنے کی) صلاحیت موجود ہو۔ آپ علیہ السلام نے لوگوں کی گروہ بندی کرتے ہوئے فرمایا، ایسے لوگ بھی ہیں جو زیرک اور عقلمند ہیں لیکن ایسے زیرک ہیں کہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں اس سے اپنے لئے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی دین کو اپنی دنیا کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا میں ان سے پر ہیز کرنے پر مجبور ہوں۔ کچھ دوسرے افراد ہیں جو اچھے اور نیک تو ہیں لیکن احمق ہیں۔ وہ کچھ حاصل ہی نہیں کرتے یا اگر حاصل بھی کرتے ہیں تو ایک دم اُلٹا اور غلط مطلب سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یہاں تک تو امام علیہ السلام کی گفتگو مایوسانہ رنگ لئے ہوئے ہے (کیونکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے) کہ کوئی اہل موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد فرماتے ہیں :" اللّٰھمَّ بَلٰی..... " نہیں ایسا بھی نہیں ہے کہ کوئی شخص موجود نہ ہو۔ میں تو یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں لوگوں کی اکثریت کو کہہ رہو ہوں (یہاں آقائے بروجردی

فرماتے تھے کہ حضرت علیہ السلام نے یہ اشارہ بصرہ میں ایک خطبہ کے ذیل میں فرمایا تھا، ورنہ یہ کمیل کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں بھی موجود ہے)۔

اَللّٰھمَّ بَلٰی لَا تَخلُو الارضُ مِن قائم لله بِحُجَّة اِمَّا ظَاھراً مَّشھو راً وَاِمَّاخَائِفاً مغموراً لِئَلَّا تَبطِلُ حُجَجُ الله وَ بَیِّناته وَکَم ذا وَاَینَ؟ اُو لئکَ وَالله۔ الاَقَلُّونَ عَدَداً وَ الاَعظَمُو نَ عِندَالله قَد راً، یَحفَظُ الله بِھم حُجَجَه وَبَیِّنَاتَه حَتّٰی یُو دِعُو ھا نُظَرَائَھم وَیَز رَعُو ھا فِی قُلوبِ اَشبَاھھم ھجَمَ بِھم العِلمُ علٰی حَقِیقَة البَصِیرَة وَبَا شَرُوا رُو حُ الیَقِینِ وَاستَلَانوا مَااستَعوَرَه المُترَفُو نَ وَاَنِسُو ا بِمَا استَو حِشَ مِنه الجَاھلُونَ وَ صَحِبُوا الدُّنیَا بِاَبدَانٍ اَر وَاحُھا مُعَلّقَة بِالمحَلِّ الاَعلیٰ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:ہاں، زمین ہر گز حجّت خدا سے خالی نہیں ہے۔ اب چاہے یہ حجت ظاہر ہو اور لوگوں کے درمیان ہو یا مستور اور پوشیدہ یعنی موجود تو ہو، لیکن لوگ اسے دیکھ نہ پائیں، وہ نگاہ سے پوشیدہ ہو۔ ان ہی حجتوں کے ذریعہ خداوند عالم اپنی دلیلیں اور نشانیاں لوگوں کے درمیان محفوظ رکھتا ہے۔ اور یہ لوگ بھی جو کچھ جانتے ہیں اس کے بیج اپنے ہی جیسے افراد کے دلوں میں بو دیتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ امانتیں ان کے حوالہ نہ کریں اور چلے جائیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے اسے بیان کئے بغیر چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت علیہ السلام ان افراد سے متعلق جو ایک ملکوتی مبدأ و مرکز سے استفادہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ھجَمَ بِھمُ العِلمُ عَلٰی حَقِیقَة البصِیرَة خود علم ان پر ہجوم کرتا ہے اور ٹوٹ کر برستا ہے۔ وہ علم کی طرف نہیں بڑھتے۔ (مطلب یہ ہے کہ ان کا علم تفویضی ہے) اور وہ علم جو ان پر ہجوم کرتا ہے، انہیں حقیقی معنوں میں بصیرت عطا کرتا ہے یعنی اس علم میں کوئی اشتباہ، نقص یا خطا نہیں پائی جاتی۔ " وَبَاشَرُوا رُوحَ الیَقِینِ" وہ روح یقین کو متصل رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عالم دیگر سے بھی ایک طرح کا ارتباط و اتصال رکھتے ہیں۔ " وَاستلَانُوا مَا استَعورَة المُترَفُو نَ" وہ چیزیں جنھیں مترف (یعنی اہل عیش و طرب) اپنے لئے بہت دشوار سمجھتے ہیں ان کے لئے آسان ہیں۔ مثلاً عیش و عشرت کے عادی افراد کا گھنٹہ بھر اپنے خدا سے لو لگانا اور اس سے راز و نیاز کی باتیں کرنا گویا سب سے زیادہ دشوار کام ہے۔ لیکن ان کے لئے یہ کام آسان ہی نہیں بلکہ ان کا پسندیدہ عمل ہے۔"وَاُنِسُو ا بِما استَو حَشَ مِنه الجَاھلُو ن" جن چیزوں سے نادان اور جاہل افراد وحشت کرتے ہیں یہ ان سے مانوس ہیں۔

" وَصَحِبُوا الدُّنیَا بِاَبدَانٍ اَر وَاحھا مُعَلَّقة بِالمَحَلِّ الاَعلیٰ"

اپنے جسموں کے ساتھ لوگوں کے ہمراہ رہتے ہیں جبکہ اسی وقت ان کی روحیں مقامِ اعلیٰ سے تعلق و اتصال رکھتی ہیں۔ یعنی ان کا جسم لوگوں کے ساتھ ہے لیکن ان کی روح یہاں نہیں ہے، جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں انہیں اپنے ہی جیسا انسان سمجھتے ہیں اور ان میں اور اپنے آپ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس (انسانِ کامل) کا باطن کسی اور عالم سے وابستہ ہے۔

بہر حال امامت کا اصل فلسفہ یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب" کافی" میں" باب الحجۃ" کے عنوان سے ایک مستقل باب موجود ہے۔ اور اس میں ملتا ہے کہ اگر دنیا میں صرف دو انسان باقی رہیں تو ان میں کا ایک اسی طرح کا انسان ہوگا جس طرح دنیا کا پہلا انسان اسی منصب پر فائز تھا ہم اس فلسفہ کی روح کو لوگوں کے ذہنوں سے مزید قریب کرنے کے لئے اور اس حقیقت سے زیادہ آشنا کرنے کے لئے "اصول کافی" سے" کتاب الحجۃ" کی بعض روایتیں اور حدیثیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس مسئلہ سے متعلق تمام دوسرے مسائل مثلاً معاشرہ میں امام کا وجود ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے، یا دینی امور میں لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کو حل کرسکے۔ یہ سب باتیں اس اصل مسئلہ میں طفیلی کی

حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ امام کو لوگوں پر حکومت کرنے کے لئے امام قرار دیا جائے اور بس، بلکہ یہ مسئلہ ان تمام باتوں سے کہیں بالاتر ہے۔ یہ باتیں گویا امام کے" فوائد جاریہ" یعنی اس کے وجود کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے فوائد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم ہر حدیث سے کچھ جملے منتخب کرکے آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں تاکہ فلسفۂ امامت کی حقیقت پورے طور سے واضح ہوجائے۔

امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے ایک روایت

یہ روایت انبیاء و مرسلین سے متعلق ہے۔ ایک زندیق (مادہ پرست) نے امام صادق(علیہ السلام) سے سوال کیا کہ:"مِن اَینَ اَثبَتَّ الاَنبِیَاء وَالرُّسُلَ؟" آپ انبیاء علیھم السلام و رسل کو کس دلیل سے ثابت کرتے ہیں؟ امام نے جواب میں مسئلۂ توحید کو بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا:

" اِنّا اَثبَتنا اَنّ لَنَا خَالِقاً صَانِعاً متَعَالیاً عَنّا وَعَن جَمِیع مَا خَلَقَ وکانَ ذٰلکَ الصَّانِع حَکِیماً متَعَالیاً لَم یَجُز اَن یشاھدَہ خَلقُہ وَلَا یلا مِسُوہ فیباشرھم وَیُبَاشِروہ وَ یُحَاجَھم وَیُحَاجُّوہ ثَبَتَ اَنّ لَہ سُفَراء فی خَلقِہ یُعَبِّرُو نَ عَنہ اِلیٰ خَلقِہ وَعِبَادِہ وَیَدُلُّونَھم علیٰ مَصَالِحِھم وَمَنَافِعِھم وَمَا بِہ بَقَائُھم وَفی تَر کِہ فَنَائُھم فَثَبَتَ الآمِرو نَ وَالنَّاھو ن عَنِ الحَکِیمِ العَلِیم فِی خَلقِہ".....

مختصر یہ ہےکہ انبیاء و رسل کے ثابت کرنے کی بنیاد، اپنی تمام الٰہی شان و صفات کے ساتھ خود اللہ کے اثبات پر موقوف ہے جب ہم نے یہ جان لیا کہ ہمارا کوئی خالق و صانع ہے جو حکیم ہے اور ہم سے اعلیٰ و ارفع ہے یعنی ہم اپنے حواس و ادراک کے ذریعہ اس سے براہ راست ارتباط پیدا نہیں کرسکتے۔ نہ اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں اور نہ اسے چھو سکتے ہیں اور نہ ھی اس سے دو بدو سوال و جواب کرسکتے ہیں جبکہ ہم اس کے محتاج ہیں کہ وہ ہماری راہنمائی کرے۔ کیونکہ فقط وہی حقیقی حکیم و دانا ہے اور ہمارے واقعی مصالح و مفادات سے آگاہ ہے۔ لہٰذا ایسے وجود کا ہونا ضروری ہے جو بیک وقت دو پہلوؤں کا حامل ہو: ایک طرف وہ خدا سے ارتباط رکھتا ہو یعنی اس پر وحی نازل ہوتی ہو اور دوسری طرف ہم اس سے رابطہ قائم کرسکتے ہوں۔ اور ایسے افراد کا ہونا لازم و واجب ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام ان افراد کے بارہ میں فرماتے ہیں:" حکماء مؤدبین بالحکمة" خود ان لوگوں کو حکیم دانا ہونا چاہیئے۔ وہ حکمت کی بنیاد پر مؤدب و مہذب کئے گئے ہوں۔" مبعوثین بھا" اور حکمت ہی پر مبعوث کئے گئے ہوں یعنی ان کی دعوت اور ان کا پیغام حکمت پر مبنی ہو۔ "غَیرُ مشارکین لِلناسِ عَلَیٰ مشارکتھم لَھم فی الا خَلقِ۔" اگر چہ وہ خلقت کے اعتبار سے انسانوں میں شریک ہوں لیکن بعض جہات میں لوگوں سے الگ اور جدا ہوں۔ ایک انفرادی پہلو اور امتیازی روح ان میں پائی جاتی ہو۔"مُؤَیَّدِینَ مِن عِندَالحَکیمِ العَلیم بِالحِکمَة" خدا ئے حکیم و علیم کی جانب سے حکمت کی بنیاد پر ان کی تائید کی گئی ہو۔"ثمَّ ثَبَتَ ذٰلِکَ فِی کُلِّ دھرٍ وَمَکَانٍ" ایسے واسطوں اور ذریعوں کا وجود ہر زمانہ اور ھر عہد میں لازمی و ضروری ہے۔ "لِکَیلَا تخلُوالاَر ض مِن حُجَّة یَکُو نُ مَعَہ عَلَم یَدُلُّ علیٰ صِد قِ مَقَالَتِہ وَ جواز عَدَالَتِہ" تاکہ زمین کسی وقت بھی ایسی حجت سے خالی نہ رہے جس کے پاس اس کی صداقت گفتار اور اس کی عدالت و رفتار کے ثبوت میں کوئی علم (دلیل یا معجزہ) موجود ہو۔

زید بن علی علیہ السلام اور مسئلہ امامت

زید ابن علی ابن الحسین علیہ السلام امام محمد باقر(ع) کے بھائی ہیں اور صالح و محترم شخص ہیں۔ ہمارے ائمہ(علیہم السلام) نے آپ کی اور آپ کے مجاہدانہ اقدام کی تعریف کی ہے۔ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ جناب زید واقعاً خود اپنے لئے خلافت کے مدعی تھے یا صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے رہے تھے اور خود خلافت کے دعویدار نہیں تھے بلکہ آپ امام محمد باقر (علیہ السلام) کی خلافت کے خواہاں تھے، یہ بہر حال مسلم ہے کہ ہمارے ائمہ(علیہم السلام) نے آپ کی تعریف و توصیف کی ہے اور آپ کو شہید کہا ہے۔ اور یہی ان کی عظمت کے لئے کافی ہےکہ: "مَضیٰ وَاللّٰہ شھیداً " وہ شہید ہوکر دنیا سے اٹھے لیکن بحث اس بات پر ہے کہ آپ خود اس مسئلہ (امامت) میں شبہ کا شکار تھے یا نہیں؟ جو روایت اس وقت میں آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خود اس سلسلہ میں شبہ میں مبتلا تھے۔ اب یہ بات کہ ایسا شخص اس مسئلہ میں شبہ کا شکار کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ ایک دوسری بحث ہے۔

امام محمد باقر (علیہ السلام) کے ایک صحابی ابوجعفر احول بیان کرتے ہیں: جس وقت زید بن علی مخفی تھے انہوں نے میرے پاس پیغام بھیجا اور مجھ سے فرمایا کہ اگر ہم میں سے کوئی جہاد کے لئے قیام کرے تو کیا تم ہماری مدد کے لئے آمادہ ہو؟ میں نے جواب دیا اگر آپ کے پدر بزرگوار اور بھائی (حضرت امام زین العابدین(علیہ السلام) اور امام محمد باقر (علیہ السلام) اجازت دیں تو میں حاضر ہوں ورنہ نہیں۔ زید نے فرمایا، میں خود قیام کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بھائی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ کیا اب بھی تم ہماری حمایت پر آمادہ ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ کیا تم ہمارے سلسلہ میں اپنی جان سے دریغ کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا:اِنَّمَا ھیَ نَفس وَاحِدة فَاِن کانَ اللّٰہ فی الارض حجَّة فَا لمُتَخَلِّفُ عَنکَ ناجٍ وَالخارجُ مَعَکَ ھالِکٌ وَاِن لَا تکُن لله حُجَّة فِی الاَر ض فَا لمُتَخَلِّفُ عَنکَ وَالخَارجُ مَعَکَ سَوَاءٌ" میں ایک ہی جان رکھتا ہوں اور آپ بھی حجت خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ اگر زمین پر آپ کے علاوہ کوئی حجت خدا ہے تو جو شخص آپ کے ساتھ قیام کرے اس نے خود کو ضائع کیا بلکہ ہلاک ہوا اور جس نے آپ سے انکار کیا اس نے نجات پائی لیکن اگر زمین پر کوئی حجت خدا نہ ہو تو میں چاہے آپ کے ساتھ قیام کروں یا نہ کروں دونوں باتیں برابر ہیں۔

ابو جعفر احول جانتے تھے کہ زید کا مقصد کیا ہے۔ لہٰذا وہ اس حدیث کے ذریعہ یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ اس وقت روئے زمین پر ایک "حجت" موجود ہے۔ اور وہ آپ کے بھائی امام محمد باقر (علیہ السلام) ہیں۔ آپ نہیں ہیں۔ یہاں روایت میں حضرت زید کی گفتگو کا خلاصہ یہ کہ ھے، تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی جبکہ امام کا فرزند ہوتے ہوئے اس نکتہ سے واقف نہیں ہوں اور میرے پدر بزرگوار نے بھی مجھے نہیں بتایا؟ کیا میرے بابا مجھے چاہتے نہیں تھے؟ خدا کی قسم میرے بابا مجھے اس قدر چاہتے تھے کہ مجھے بچپن میں دستر خوان پر اپنی آغوش میں بٹھاتے تھے اور اگر نوالہ گرم ہوتا تھا تو پہلے اسے ٹھنڈا کرتے تھے اس کے بعد کھلاتے تھے تا کہ میرا دہن نہ جلنے پائے وہ باپ جو مجھ سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ اسے ایک لقمہ کے ذریعہ میرا دہن جلنا گوارہ نہ تھا۔ کیا اس نے اتنی اہم بات جسے تم سمجھے ہو، مجھے بتانے سے مضائقہ کیا تاکہ میں جہنم کی آگ سے محفوظ رہوں؟ (ابوجعفر احول نے) جواب دیا۔ انہوں نے آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہی نہیں بتایا۔ چونکہ وہ آپ کو بہت چاہتے تھے اس لئے آپ کو نہیں بتایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر میں کہہ دوں گا تو آپ انکار کریں گے اور جہنمی ہوجائیں گے چونکہ وہ آپ کی طبیعت کی تیزی سے واقف تھے لہٰذا آپ سے بتانا نہیں چاہا۔ اور یہی بہتر سمجھا کہ آپ لاعلمی کی حالت پر باقی رہیں تاکہ کم از کم آپ میں

عناد نہ پیدا ہونے پائے لیکن یہ بات مجھ سے فرمادی تاکہ اسے قبول کرکے نجات حاصل کرلوں یا انکار کر کے جہنمی بن جاؤں.... اور میں نے بھی اسے قبول کرلیا۔

اس کے بعد میں نے زید سے دریافت کیا:"اَنتُم اَفضَل اَمِ الاَنبیاء" آپ افضل ہیں یا انبیاء؟ فرمایا انبیاء۔"قلتُ یَقولُ یعقوبُ لِیُوسُفَ یابُنَیَّ لَاتَقصُصُ رُؤیاکَ عَلیٰ اِخوَتِکَ فَیَکِیدُو لَکَ کیداً" میں نے عرض کیا یعقوب علیہ السلام جو پیغمبر ہیں اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام سے جو خود بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین ہیں، کہتے ہیں کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا۔ آیا یعقوب علیہ السلام کا یہ حکم یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے دشمنی کی بنا پر تھا یا ان کی اور یوسف علیہ السلام کی دوستی کی بنیاد پر تھا چونکہ وہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طبیعت سے واقف تھے کہ اگر وہ سمجھ گئے کہ یوسف علیہ السلم اس مقام و منزلت پر فائز ہونے والے ہیں تو ابھی سے ان کی دشمنی پر کمر بستہ ہوجائیں گے"۔آپ کے ساتھ آپ کے پدر بزرگوار اور بھائی کا قصہ بالکل یعقوب علیہ السلام و یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں جیسا ہے۔

گفتگو کے اس مرحلہ پر آکر زید بالکل خاموش ہوگئے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے فرمایا:"اَمَا واللہ لَاِن قُلتَ ذٰلِکَ" اب جبکہ تم مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہو تو میں بھی تمہیں یہ بتادوں کہ:لَقَد حَدّثَنی صَاحِبُکَ بِالمدینَة"تمہارے آقا (یہاں مراد امام ہیں تمہارے امام یعنی میرے بھائی امام محمد باقر (علیہ السلام) نے مدینہ میں مجھ سے فرمایا:"انی اُقتل واُصلَب بِالکناسَة" کہ تمہیں قتل کیا جائےگا اور کانسۂ کوفہ پر سولی دی جائے گی۔"وَانَّ عِندَہ لصحیفة فیھا قتلی وصلبی" اور ان کے پاس ایک صحیفہ (کتاب) ہے جس میں میرے قتل کئے جانے اور دار پر چڑھائے جانے کا ذکر ہے۔

یہاں زید، ابوجعفر کے سامنے ایک دوسرا ورق الٹتے ہیں کیونکہ یک بیک بات ایک دم بدل جاتی ہے اور وہ دوسرے نظریہ کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سے قبل جو باتیں آپ ابوجعفر سے فرمارہے تھے گویا اس سے اپنے آپ کو پنہاں رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ ابوجعفر مسئلہ امامت کے سلسلہ میں اس قدر راسخ الاعتقاد ہیں تو خود سے فرمایا کہ کہ ان کو بتادوں کہ میں بھی اس نکتہ سے غافل نہیں ہوں۔ وہ کہیں شبہ کا شکار نہ ہوں، میں بھی اس مسئلہ کو نہ صرف جانتا ہوں بلکہ اس کا اعتراف و اعتقاد بھی رکھتا ہوں۔ گفتگو کے آخری جملہ میں اسی مطلب کا اظہار ہے کہ میں پورے علم و ارادہ کے ساتھ نیز اپنے بھائی کے حکم سے جہاد کے لئے اٹھ رہا ہوں۔ یہاں تک کہ (ابو جعفر) کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد ایک سال میں مکہ مکرمہ گیا اور وہاں میں نے یہ پورا واقعہ حضرت امام صادق (علیہ السلام) سے بیان کیا۔ حضرت نے بھی میرے نظریات کی تائید کی۔

حضرت امام صادق (علیہ السلام) سے دو اور حدیثیں

امام علیہ السلام ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: "اِنَّ الاَر ضَ لَاتَخلُوا لَّا وَفِیھا اِمَامٌ " زمین کبھی بھی امام سے خالی نہیں رہتی۔ نیز حضرت علیہ السلام سے ایک اور حدیث نقل ہے: "لَو بقیٰ اثنان لکانَ اَحَدُھمَا الحُجَّة علیٰ صَاحِبہ" اگر روئے زمین پر دو شخص بھی باقی رہیں تو ان میں کا ایک اپنے ساتھی پر خدا کی حجّت ہوگا۔

حضرت امام رضا(علیہ السلام) سے ایک روایت

اس سلسلہ میں ہمارے یہاں بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔ایک مفصل روایت جو امام رضا (علیہ السلام) سے

مروی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ عبد العزیز بن مسلم کا بیان ہے کہ:"کنّا معَ الرّضَا عَلَیه السَّلامِ بمَرو فَاجتَمَعنا فِی الجَامِعِ یَومِ الجمعَة فی بدءِ مَق دَمِنا" ہم مرو میں امام رضا علیہ السلام کے ہمراہ تھے (یہ اس سفر کی بات ہے جب امام علیہ السلام ولی عہدی کے سلسلہ میں خراسان لے جائے جارہے تھے) جمعہ کے دن ہم مرو کی جامع مسجد میں بیٹھتے تھے اور امام جماعت موجود نہیں تھا لوگ جمع ہوکر مسئلہ امامت گفتگو کررہے تھے۔ اس کے بعد وہاں سے اٹھ کر امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے ساری باتیں بیان کردیں۔ امام نے تمسخر آمیز تبسم فرمایا کہ آخر یہ لوگ کیا سوچتے ہیں:! یہ لوگ در اصل موضوع (امامت) کو ہی نہیں سمجھتے اس کے بعد امام نے فرمایا:"جَهلِ القَوم وَخُدِعُوا عَن اٰرائِهم " یہ لوگ جاہل ہیں اور انہوں نے اپنے افکار و عقائد میں دھوکہ کھایا ہے خدا وند عالم نے اپنے پیغمبر(ص) کو اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک دین کامل نہیں ہوا۔ اس نے قرآن نازل فرمایا جس میں حلال، حرام، حدود و احکام اور وہ تمام باتیں جن کی دین کے سلسلہ میں انسان کو ضرورت ہے سب بیان کردی اور اعلان کردیا: "مَافَرَّطنَا فی الکِتَابِ مِن شئ" ہم نے اس کتاب (قرآن مجید) میں کسی بھی چیز کو نہیں چھوڑا ہے یعنی سب کچھ بیان کردیا ہے (اس سے مراد حلال و حرام سے متعلق قرآن کے احکام اور انسانوں کے تمام فرائض ہیں) اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں پیغمبر اسلام(ص) نے حجۃُ الوداع کے موقع پر اس آیت کی تلاوت بھی فرمائی:"الیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دینکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِیناً"یعنی آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کردیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور تمہارے لئے اسلام سے راضی ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت امام رضا (علیہ السلام) نے فرمایا"وَاَمرُ الاِمَامَة مِن تَمامِ الدّینِ" اور مسئلہ امامت دین کوتمام اور کامل کرنے والے مسائل میں سے ایک ہے"وَلَم یَمضِ حَتیٰ بَیَّنَ لِاُمَّته مَعَالِم دِینهم " پیغمبر اسلام(ص) اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک انہوں نے اپنی امت کے درمیان ہدایت کی نشانیوں کو بیان نہ کردیا اور ان کے لئے دین کی راہ روشن نہ کردی۔"وَاَقَامَ لهم عَلِیّاً عَلَماً" اور ان کے لئے علی (علیہ السلام) کو راہنما مقرر فرمادیا۔

مختصر یہ کہ قرآن پوری صراحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ ہم نے کسی بھی امر کو فراموش نہیں کیا۔ اب یہ کہ کیا اس نے تمام جزئیات...... بھی بیان کردیئے؟ یا نہیں: بلکہ فقط کلیات اور اصول بیان کئے ہیں اور ان چیزون کا ذکر کیا ہے جن کی لوگوں کو ضرورت تھی۔ ان ہی کلیات و اصول میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قرآن نے(پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد کے لئے) ایک ایسے انسان کا تعارف کروا دیا جو قرآن کی تفسیر اس کے معانی کی وضاحت نیز اس کے کلیات کی تشریح سے واقف ہے۔ اس کا یہ علم اجتہاد کی بنیاد پر نہیں ہے۔ جس میں کچھ باتیں صحیح ہوں اور کچھ غلط (بلکہ وہ علم الٰہی کے ذریعہ ان چیزوں سے آگاہ ہے) اور حقیقتت اسلام اس کے پا س محفوظ ہے۔ پس قرآن یہ جو کہتا ہے کہ ہم نے تمام چیزیں بیان کردیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔ ہم نے کلیات کے ساتھ ساتھ جزئیات بھی بیان کردیئے ہیں اور انہیں ایک "دانا" کے پاس محفوظ کردیا ھے۔ اور ہمیشہ اسلام سے آگاہ ایک شخص لوگوں کے درمیان موجود رہتا ہے۔ "مَن زَعَمَ اَنَّ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ لَم یُکمِل دِینَه فَقَد رَدَّ کِتَابَ اللّٰه" اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا وند عالم نے اپنا دین کامل نہیں کیا تو اس نے قرآن کے خلاف بات کہی ہے اور جو بھی قرآن کو رد کرے کافر ہے۔"وَهل یَعرفون قدر الامامة ومحلّها من الامة فیجوز فیها اختیارهم" جو لوگ کہتے ہیں کہ امامت انتخابی ہے کیا وہ جانتے بھی ہیں کہ امام کے کیا معنی ہیں؟ ان لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ امام کا انتخاب کسی سپہ سالار لشکر کے انتخاب کے مانند ہے، جب کہ امام وہ ہے کہ (جس کی تعیین پر) قرآن فرماتا ہے کہ میں نے دین کامل کردیا۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام کے جزئیات قرآن میں نہیں ہیں۔ حقیقت اسلام اس (امام) کے پاس ہے۔ کیا لوگ

سمجھتے ہیں کہ ایسا شخص کون ہے کہ خود اسے منتخب کرلیں؟ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کہا جائے کہ پیغمبر(ص) کا انتخاب ہم خود ھی کرتے ہیں!

"اِنَّ الامَامة اَجَلُّ قَدراً وَاَعظَمُ شا ناً وَاَعلَیٰ مَکَاناً وَاَمنَعُ جانباً وَاَبعَدُ غوراً مِن اَن یَبلُغها النَّاسُ بعقولِهم اَو یَنَالو ها بآرائِهم ۔" امامت انسان کی فکری حدود سے اس سے کہیں بالاتر ہے کہ اسے انتخابی قرار دیا جائے اسی مسئلہ کو انتخابی کہا جانا چاہئے جسے لوگ واقعی طور پرتشخیص دے سکیں، جن مسائل میں انسان خود تشخیص کی صلاحیت رکھتا ہے وہاں دین کبھی براہ راست مداخلت نہیں کرتا۔ اور بنیادی طور پر ایسے مسائل میں دین کی براہ راست مداخلت بالکل غلط ہے، کیونکہ ایسی صورت میں سوال اٹھے گا کہ پھر انسان کی فکر وعقل آخر کہاں کام آئے گی؟ جہاں تک انسانی فکر و عقل کا دائرہ ہے انسان خود انتخاب کریں لیکن جو بات عقل و بشر کی حد سے خارج اور بالاتر ہے۔ اس میں انتخاب کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ (امامت) قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت بلند، شان کے اعتبار سے بہت عظیم، مرتبہ کے اعتبار سے بہت عالی ہے، اس کی دیواریں ناقابل عبور ہیں اور وہ عقل و فکر کی حد سے باہر ہے۔

"انسان اپنی عقل کے ذریعہ امام کو درک نہیں کرسکتے اور نہ اس تک اپنی آراء کے ذریعہ رسائی حاصل کرسکتے ہیں اور نہ اپنے اختیار سے اس کا انتخاب کرسکتے ہیں"اِنَّ الامامَة خصَّ الله عَزَّ وَجَلَّ بها ابراهیمَ الخَلِیل بَعد النّبوّة وَالخُلّة" اگر امامت کے حقیقی معنٰی سمجھنا چاہتے ہو تو یہ جان لو کہ (امامت) ان تمام مسائل سے الگ ہے جن کا آج لوگ اظہار کرتے ہیں کہ پیغمبر(ص) کا ایک خلیفہ و جانشین منتخب کریں، لیکن یہ جانشین پیغمبر(ص) صرف لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کرے۔ امامت تو اصل میں وہ منصب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسا پیغمبر(ص) نبوت کے بعد اس تک رسائی حاصل کرتا ہے اور اس منصب پر فائز ہونے کے بعد مسرت کا اظہار کرتے ہوئے خدا کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے" وَمِن ذُرِّیَّتی" خداوندا میری ذریت میں سے کچھ افراد کو بھی یہ منصب عطا فرما۔ ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں کہ یہ عظیم منصب ان کی تمام ذریت کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ جواب دیا جاتا ہے"لَا یَنَالُ عَهدِی الظّالِمِینَ" یہ وہ منصب ہے جو ظالم کو نہیں مل سکتا۔ ہم عرض کرچکے ہیں کہ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ کیا ظالم ہر حال میں ظالم ہے چاہے ماضی میں وہ ظالم رہا ہو یا پہلے نیک اور صالح رہا ہو کیونکہ کہ یہ محال ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کہیں، خدا یا (یہ منصب) میری ذریت میں سے ظالموں کو عطا فرما۔ پس بھر حال ان کی نظر میں آپ کی نیک اور صالح اولاد ہی رہی ہے۔چنانچہ خداوند عالم کی طرف سے جواب ملا کہ یہ منصب آپ کی ذریت میں سے ان کو عطا ہوگا جن کا ظلم سے سابقہ نہ رہا ہو۔

"فَاَبطلت هذه الآیَة اِمَامَة کُلّ ظَالِمٍ اِلَی یومِ القیَامة و صارت فِی الصَّفوَة" یہ منصب ان منتخب افراد میں ہے یعنی ذریت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اہل صفوۃ (منتخب اور بہترین افراد کو عطا ہوا ہے۔ (صفوۃ یعنی مکھن کے مانند ایک ایسی چیز جسے مٹھا مھ کر اوپر سے نکال لیتے ہیں اور وہی"زبدہ" کہلاتا ہے)۔"ثمَّ اکرمَه الله تعَالیٰ بأن جَعَلَها فِی ذُرِّیَّتِه اَهلَ الصِّفوَة وَالطَّهارَة۔" (اس کے بعد خداوند عالم نے امامت کو بزرگ و مکرّم بنایا اور وہ اس عنوان سے کہ اسے) صفوۃ اور اہل طہارت یعنی ذریت ابراہیم میں صاحبان عصمت کا حصہ قرار دیا۔ اس کے بعد امام (علیہ السلام) قرآن کی آیات سے استدلال فرماتے ہیں:

وَوَهبنَا لَه اِسحٰقَ وَیَعقُو بَ نَافِلَة وَّکُلًّا جَعَلنَا صَالِحِینَ وَجَعَلنَاهم اَئِمة یَّهدُو نَ بِاَمرِنَا وَ اَو حَینَا اِلَیهم فِعلَ الخَیرات[4] اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام جیسے فرزند عطا کئے اور ہم نے ان سب کو نیکو کار و صالح (نبی) قرار دیا۔ اور ان کو لوگوں کا ہادی و پیشوا قرار دیا کہ ہمارے حکم سے

لوگوں کی ہدایت کرتے تھے، اور ہم نے ان کی طرف نیک اعمال بجالانے کی وحی کی۔
قرآن مجید میں اس نکتہ پر کافی زور دیا گیا ہے کہ ذریت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت سے نوازا گیا ہے۔
اس کے بعد امام (علیہ السلام) فرماتے ہیں: فَمِن اَینَ یختار هؤلاء الجُهال" آخر وہ مقام و منصب جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کے بعد عطا ہوا، یہ نادان اسے آخر کس طرح انتخاب کرنا چاہتے ہیں؟ کیا بنیادی طور پر یہ منصب انتخاب کے ذریعہ حاصل بھی کیا جاسکتا ہے؟! "اِنَّ الاَمَامَة هیَ منزلة الانبیاءُ وارث الاوصیاء" امامت در اصل مقام انبیاء اور میراث اوصیاء ہے۔ یعنی یہ ایک وراثتی امر و منصب ہے لیکن قانونی میراث کے عنوان سے بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کی استعداد و صلاحیت ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوئی ہے۔ "انَّ الاَمَامَة خِلافة اللّٰه" امامت خلافت الٰہی ہے جو سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو عطا ہوئی" وَخلافَة الرَّسُو لِ" اور خلافت پیغمبر ہے۔ اس کے بعد امام فرماتے ہیں:"اِنَّ الاِمَامَة زِمَامُ الدّینِ..." امامت زمام دین، نظام مسلمین، صلاح و فلاح دنیا، عزت مسلمین، اسلام کی اصل و اساس اور اس کا بنیادی تنا ہے۔"بالامامِ تمام الصَّلوٰة والزَّکوٰة وَالصِّیَامِ وَالحَج وَالجهادِ...تاآخر۔یعنی امام ہی کے ذریعہ نماز، زکوٰۃ، روزہ حج، جہاد اور دیگر اسلامی احکام و اوامر کامل ہوتے ہیں۔

نتیجہ

مذکورہ بالا تمام باتوں سے ایک اساسی و بنیادی منطق ہمارے ہاتھ آتی ہے۔ ہاں اگر بالفرض کوئی اسے بھی قبول نہ کرے تو اور بات ہے۔ یہ منطق ان سطحی و معمولی مسائل سے بالکل الگ کہ اکثر متکلمین کی طرح ہم یہ کہیں کہ پیغمبر اسلام(ص) کے بعد ابوبکر خلیفہ ہوئے اور علی (علیہ السلام) چوتھے خلیفہ ہوئے۔ آیا علی علیہ السلام کو پہلا خلیفہ ہونا چاہیئے یا مثلاً چوتھا؟ آیا ابوبکر میں امامت کے شرائط پائے جاتے تھے یا نہیں؟ اس کے بعد ہم شرائط امامت کو مسلمانوں کی حاکمیت کے عنوان سے دیکھنا اور پرکھنا شروع کریں۔ البتہ یہ بھی ایک بنیادی و اساسی مطلب ہے۔ اور شرائط حاکمیت کے اعتبار سے بھی شیعوں نے اعتراضات کئے ہیں اور بجا اعتراضات کئے ہیں۔ لیکن اصولی طور پر مسئلہ امامت کو اس انداز سے بیان کرنا ہی صحیح نہیں ہے کہ ابوبکر میں امامت کے شرائط پائے جاتے تھے یا نہیں۔ اصل میں خود اہل سنت بھی ان کے لئے اس منصب کا اقرار نہیں کرتے۔
اس سلسلہ میں اہل سنت کے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک خدا وند عالم نے ان افراد سے متعلق انسان کے جتنے ماوراء الطبیعی پہلوؤں کا ذکر کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام ہوگئے۔ پیغمبر اکرم(ص) کے بعد اب تمام انسان معمولی اور ایک جیسے ہیں۔ اب صرف علماء ھیں جو پڑھنے لکھنے کے بعد عالم ہوئے ہیں اور ان سے کبھی غلطی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ یا حکام ہیں جن میں سے بعض عادل ہیں اور بعض فاسق۔ اب یہ مسئلہ امامت ان ہی کے درمیان دائر ہوتا ہے.....اب وہ باب جو ہمارے یہاں حجت الٰہیہ کے نام سے پایا جاتا ہے، یعنی وہ افراد جو عالم ماوراء الطبیعہ یا عالم بالا سے ارتباط رکھتے ہیں، (ان کے یہاں نہیں پایا جاتا، ان کا عقیدہ ہےکہ) پیغمبر اکرم(ص) کے بعد وہ بساط ہی لپیٹ دی گئی ہے۔
شیعہ جواب دیتے ہیں کہ (پیغمبر اکرم(ص) کے بعد) رسالت کا مسئلہ ختم ہوگیا۔ اب کوئی دوسرا انسان کوئی نیا دین و آئین لے کر نہیں آئے گا۔ دین ایک سے زیادہ نہیں ہے اور وہ ہے اسلام، پیغمبر اکرم(ص) کے ساتھ

رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ لیکن حجت اور انسان کامل کا مسئلہ اور اس کی ضرورت انسانوں کے درمیان ہرگز تمام نہیں ہوئی ہے، کیونکہ روئے زمین پر پہلا انسان اس طرح کا تھا اور آخری انسان بھی ان ہی صفات کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ ایل سنت میں صرف صوفیا کا طبقہ ایسا ہے جو ایک دوسرے نام سے سہی، اس مطلب کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صوفیائے اہل سنت اگرچہ صوفی ہیں لیکن جیسا کہ ان کے بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے انہوں نے مسئلہ امامت کو اسی عنوان سے قبول کیا ہے۔ جیسے شیعہ مانتے ہیں۔ محی الدین عربی، اندلس کا رہنے والا ہے۔ اور اندلس وہ جگہ ہے جہاں کے رہنے والے نہ صرف سنی تھے بلکہ شیعوں سے عناد بھی رکھتے تھے اور ان میں ناصبیت کی بو پائی جاتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اندلس کو امویوں نے فتح کیا اور بعد میں برسہا برس وہاں ان کی حکومت رہی۔ اور چونکہ یہ لوگ بھی اہل بیت علیھم السلام کے دشمن تھے لہٰذا علمائے اہل سنت میں زیادہ تر ناصبی علماء اندلسی ہیں شاید اندلس میں شیعہ ہوں بھی نہیں اور اگر ہوں گے بھی تو بہت کم اور نہ ہو نے کے برابر ہوں گے۔

بہر حال یہ محی الدین اندلسی ہے، لیکن اپنے عرفانی ذوق کی بنا پر وہ اس بات کا معتقد ہے کہ زمین کبھی کسی ولی یا حجت سے خالی نہیں رہ سکتی۔ یہاں وہ شیعی نظریہ کو قبول کرتے ہوئے ائمہ علیہم السلام کے ناموں کا ذکر کرتا ہے، یہاں تک کہ حضرت حجت علیہ السلام کا نام بھی لیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے سن چھ سو کچھ ہجری میں حضرت محمد علیہ السلام بن حسن عسکری علیہ السلام سے فلاں مقام پر ملاقات کی ہے۔ البتہ بعض باتیں اس نے ایسی کہی ہیں جو اس کی ایک دم ضد ہیں اور وہ بنیادی طور پر ایک متعصب سنی ہے لیکن اس کے باوجود چونکہ اس کا ذوق عرفانی تقاضہ کرتا ہے کہ صوفیوں کے مطابق زمین کبھی کسی "ولی" (اور ہمارے ائمہ(علیہم السلام کے مطابق حجت) سے خالی نہیں رہ سکتی،اس مسئلہ کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ مشاہدہ و ملاقات کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ میں حضرت محمد بن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ چکا ہوں، اور اس وقت جبکہ ان کی عمر تین سو کچھ برسوں سے زیادہ ہوچکی ہے اور وہ مخفی ہیں، میں ان کی زیارت سے شرفیاب ہوا ہوں۔

---

[1] ڈارون کا مشہور نظریہ۔ انسان پہلے بندر تھا .....(مترجم)

[2] سورہ بقرہ۔ آیات ۳۰۔ ۳۱۔

[3] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، حکمت نمبر ۱۲۹۔ مطابق نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین مرحوم، حکمت ۱۴۷

[4] سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۷۲۔ ۷۳